باب : 6

عدلیہ

تمہید

اکثرعدالتوں کو اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ افراد یا نجی فریقین کے مابین تنازعات یا جھگڑوں کو حل کرتی ہیں۔لیکن عدلیہ بعض سیاسی کام بھی انجام دیتی ہے۔ عدلیہ حکومت کاایک عضو ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ سپریم کورٹ دنیا کی طاقت ور ترین عدالتوں میں سے ایک ہے۔ 1951سے آج تک آئین ہند کی تشریح اور تحفظ میں سپریم کورٹ نے نہایت اہم کردار نبھایا ہے۔اس باب میں ہم عدلیہ کی اہمیت اور کردار کے متعلق پڑھیں گے۔ بنیادی حقوق کے باب میں ہم پہلے ہی پڑھ چکے ہیں کہ ہمارے حقوق کی حفاظت میں عدلیہ کا اہم کردار ہے۔اس باب میں ہمیں علم ہوگا کہ عدلیہ نے ہمارے حقوق کے تحفظ کے لیے کیا کیا ہے۔

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ یہ سمجھنے کے قابل ہوں گے :

- عدلیہ کی آزادی کے معنی
- ہمارے حقوق کے تحفظ میں ہندوستانی عدلیہ کا کردار
- آئین کی تشریح میں عدلیہ کا کردار اور
- عدلیہ اور پارلیمنٹ کے درمیان رشتہ

ہمیں ایک آزاد عدلیہ کی ضرورت کیوں ہے؟

کسی بھی معاشرہ میں افراد کے درمیان، گروہوں کے درمیان، فرد اور حکومت کے درمیان اور گروہ اور حکومت کے درمیان تنازعات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے معاملات کو سلجھانے کے لیے ایک آزاد ادارہ قانون کے مطابق کام کرتا ہے۔ قانون کی حکمرانی اور بالادستی کے اس تصور کے معنی ہیں کہ تمام افراد امیر و غریب، مرد یا عورت ذہنی طور پر ترقی یافتہ یا پس ماندہ۔۔سب پر ایک ہی قانون نافذ ہوتا ہے۔ عدلیہ کا ایک مخصوص کردار ہوتا ہے۔ قانون کی حکمرانی قائم رکھنا اور قانون کی بالادستی کی یقین دہانی یہ افراد کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے، قانون کی روشنی میں تنازعات حل کرتی ہے اور اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ جمہوریت کسی فرد یا جماعت کو مطلق العنانیت عطا نہیں کرسکتی۔ ایسا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عدلیہ ہر سیاسی دباؤ سے آزاد رہے۔

آزاد عدلیہ سے کیا مراد ہے؟ اس آزادی کو کیسے یقینی بنایا جاتا ہے؟

ایک کارٹون پڑھیے

بطور ایک ممتاز وکیل آپ کو معلوم ہونا چاہئے، کہ آپ کا ایکشن مترادف ہے، انڈر سیکشن B، سب سیکشن G-VI X، حالانکہ اس سے I.P.C. (A) XI (B)، کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

R K Laxman in The Times of India.

نوٹیفکس پلیز، یہ قانون کا اصول ہے!

عدلیہ کی آزادی

آسان الفاظ میں عدلیہ کی آزادی کے معنی ہیں:

- عدلیہ کے کام میں حکومت کے دوسرے اعضا — عاملہ اور مجلسِ قانون ساز کوئی رُکاوٹ ایسی نہ ڈالیں کہ عدلیہ انصاف قائم نہ کرسکے۔
- حکومت کے دوسرے اعضا کو عدلیہ کے فیصلوں میں دخل اندازی کا اختیار نہیں۔
- جج بغیر کسی خوف یا حمایت کے اپنا کام کرنے کے اہل ہوں۔

عدلیہ کی آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جواب دہی یا خودمختاری نہیں ہوگی۔ عدلیہ ملک کے جمہوری ڈھانچہ کا ایک حصّہ ہے۔ لہٰذا یہ آئین جمہوری اقدار اور ملک کے عوام کے تئیں جواب دہ ہے۔ عدلیہ کی آزادی کیسے مہیا کی جاتی ہے اور اس کا تحفظ کیسے ہوتا ہے؟

مجھے ماچل کا کیس یاد ہے جس کا ذکر باب 2میں ہوا تھا۔ کیا کسی نے نہیں کہا : ''انصاف میں تاخیر یعنی انصاف سے انکار'' ۔ اس کے بارے میں کسی کو کچھ کرنا چاہیے۔

آئین ہند نے کئی طریقوں سے عدلیہ کی آزادی کا تحفظ کیا ہے۔ ججوں کے تقرر میں مجلسِ قانون ساز کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ لہٰذا یہ یقین کیا گیا کہ تقرری کے معاملہ میں جماعتی سیاست کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ ایک جج کی حیثیت سے تقرری کے لیے ایک شخص کو وکالت کا تجربہ ہونا چاہئے قانون سے اچھی واقفیت ہونی چاہیے۔ اس شخص کی سیاسی رائے یا کسی سیاسی جماعت سے وفاداری کو عدلیہ کے لیے تقرری کی کسوٹی نہیں مانا جاسکتا۔

ججوں کی ایک مقررہ میعاد ہوتی ہے۔ وہ ریٹائرمنٹ کی عمر تک اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے۔ صرف غیر معمولی معاملات میں، ججوں کو یا کسی ایک جج کو برخاست کیا جاسکتا ہے ورنہ ان کی میعاد طے شدہ ہوتی ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریاں بغیر کسی خوف یا حمایت کے، انجام دے سکتے ہیں۔ ججوں کو برخاست کرنے کا آئین نے ایک مشکل عمل تجویز کیا ہے۔ آئین سازوں کو یقین تھا کہ برخاستگی کا مشکل طریقہ، عدلیہ کے ممبران کے عہدہ کی حفاظت کرسکے گا۔

مالیاتی طور پر عدلیہ نہ تو انتظامیہ پر منحصر ہے اور نہ ہی مجلس قانون ساز پر۔ آئین کی رو سے ججوں کی تنخواہوں اور بھتوں کے لیے مجلس قانون ساز کی منظوری ضروری نہیں۔ ججوں کے عمل اور فیصلے ذاتی تنقید سے مستثنٰی قرار دیے گئے ہیں۔ پارلیمنٹ ججوں کے طریقہ کار پر بحث نہیں کرسکتی۔ سوائے اس حالت میں جب کہ کسی جج پر مقدمہ چلایا جارہا ہو۔ گویا تنقید کے خوف سے آزاد عدلیہ کی فیصلہ سازی کو تحفظ دیا گیا ہے۔

سر گرمی

درج ذیل موضوع پر اپنی کلاس میں بحث کیجئے:

آپ کے خیال میں اپنا فیصلہ سناتے وقت، ججوں پر کون بندش لگاتا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ صحیح ہے:

- آئین ہند
- ماقبل فیصلے
- دوسری عدالتوں کی رائے

- رائے عامہ
- میڈیا
- قانون کی روایات
- قوانین
- وقت اور انتظامیہ کی پابندیاں
- عوامی تنقید کا خوف
- انتظامیہ کے الیکشن کا خوف

ججوں کا تقرر

ججوں کا تقرر سیاسی تنازعوں سے کبھی پاک نہیں رہا۔ یہ سیاسی عمل کا ایک حصہ ہے۔ فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ کون سپریم کورٹ کا جج ہے اور کون ہائی کورٹ میں کام کرتا ہے۔ یہ فرق ہے اس بات میں کہ آئین کی تشریح کیسے ہوتی ہے۔ ججوں کے سیاسی نظریات، ان کے کام، عدلیہ سے الگ رہ کر ان کے خیالات، باضابطہ اور سنجیدگی سے متعلق ان کی سوچ وغیرہ۔ ان کے خیالات کا اثر قانون کے نفاذ کا مستقبل طے کرتا ہے۔ وزراء کی کونسل، گورنر اور وزرائے اعلیٰ اور ہندوستان کے چیف جسٹس۔عدالتی تقرریوں پر ان سب کا اثر پڑتا ہے۔

جہاں تک ہندوستان کے چیف جسٹس کی تقرری کا تعلق ہے اب تک یہ روایت بن چکی ہے کہ سپریم کورٹ کے سب سے سینیر (Senior) جج کو یہ عہدہ حاصل ہوتا ہے۔ حالاں کہ یہ روایت بھی دو دفعہ توڑی جا چکی ہے پہلی بار 1973ء میں تین ججوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اے۔این رے کا تقرر کیا گیا ۔دوسری بار جسٹس ایچ۔آر۔کھنہّ کو نظر انداز کرتے ہوئے ایم۔ایچ بیگ کا تقرر کیا گیا (1975 میں)۔

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے دوسرے ججوں کا تقرر، چیف جسٹس (CJI) سے مشورہ کے بعد صدر جمہوریہ کرتا ہے۔ حقیقت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ تقرری کے معاملات

میں بہت الجھن میں ہوں۔ جمہوریت میں آپ وزیراعظم، حتیٰ کہ صدر جمہوریہ پر بھی تنقید کرسکتے ہیں لیکن ججوں پر نہیں،اور یہ توہین عدالت کیا ہے؟ میں اگر ایسے معاملات پر سوال کرتاہوں تو کیا میں توہین عدالت کا مرتکب ہوتا ہوں؟

میں آخری فیصلہ وزراء کی کونسل کرتی ہے، پھر چیف جسٹس سے مشورہ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟

1982 اور 1975 کے درمیان یہ معاملہ بار بار سپریم کورٹ کے سامنے آیا۔ ابتداءً عدالت نے محسوس کیا کہ چیف جسٹس کا رول محض مشاورتی ہے۔ پھر عدالت نے یہ رائے قائم کی کہ صدر کو چیف جسٹس کا مشورہ تسلیم کرنا چاہیے۔ بالآخر سپریم کورٹ نے ایک نیا اور انوکھا طریقہ طے کیا: اس نے تجویز کیا کہ سپریم کورٹ کے چار سینیر ججوں کے مشورہ سے چیف جسٹس ان اشخاص کے نام تجویز کرے گا جن کا تقرر ہوسکتا ہے۔ اس طرح سپریم کورٹ نے کولیجیم کا اصول اختیار کیا اور قائم کیا تاکہ تقرری کے لیے نام تجویز کئے جاسکیں۔ ایسے موقع پر سپریم کورٹ کے چار سینیر ججوں کا فیصلہ باوزن ہوتا ہے۔ لہٰذا عدلیہ کے تقرری معاملات میں سپریم کورٹ اور وزرا کی کونسل اہم رول ادا کرتے ہیں۔

لیکن میرا خیال ھے کہ وزراء کی کونسل کو ججوں کی تقرری کرنے میں زیادہ اختیار ھونا چاھئے۔کیا عدلیہ ایك خودمختار ادارہ ھے؟

ججوں کی برطرفی

سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کی برطرفی بھی بہت مشکل کام ہے۔ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے کسی جج کو، صرف ثابت کردہ غیر مناسب برتاؤ یا نااہلیت کی بنا پر برطرف کیا جاسکتا ہے۔ کسی ایسے جج کے خلاف الزامات پر مبنی تحریک کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی مخصوص اکثریت کی حمایت حاصل ہونی ضروری ہے۔ کیا آپ کو یاد ہے کہ ''مخصوص اکثریت'' کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق ہم انتخابات کے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ اس طریقۂ کار سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ کسی جج کی برطرفی ایک مشکل مرحلہ ہے اور جب تک ممبرانِ پارلیمنٹ کے مابین اتفاقِ رائے نہ ہو، کسی جج کو برطرف نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ تقرری کے معاملات میں مجلس عاملہ اہم رول ادا کرتی ہے لیکن برطرفی کے معاملات میں مجلس قانون ساز۔ اسی وجہ سے عدلیہ کی آزادی اور اختیارات کے درمیان توازن قائم کیا گیا ہے۔ اب تک پارلیمنٹ کے سامنے صرف ایک جج کو برطرف کرنے کی تحریک رکھی گئی ہے۔ حالانکہ اس معاملہ میں تحریک کو، دوتہائی اکثریت کی حمایت حاصل رہی لیکن پوری پارلیمنٹ کی حمایت حاصل نہ ہوسکی چنانچہ اس جج کو عہدہ سے برطرف نہیں کیا جاسکا۔

ایک جج کا ناکام مواخذہ

1991 میں پہلی بار مواخذہ کی تحریک سپریم کورٹ کے ایک جج جسٹس راماسوامی کے خلاف پارلیمنٹ کے 108 ممبران کے دستخط سے اس وقت پیش کی گئی جب پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے سرکاری رقم میں خُرد برد کا ان پر الزام لگایا گیا۔

1992ء میں پارلیمنٹ کے ذریعہ مواخذہ کی کارروائی شروع کرنے کے ایک سال بعد ایک اعلیٰ سطحی کمیشن نے جس میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بھی شامل تھے جسٹس راماسوامی پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے بحیثیت چیف جسٹس، ہائی کورٹ پنجاب وہریانہ ''اپنے عہدہ کا جان بوجھ کر غلط استعمال کیا۔۔۔۔۔۔اخلاقی بدنیتی کا ثبوت دیا اپنے ذاتی مقاصد کے لیے عوام کے پیسہ کو خرچ کیا اور قانون کی شدید خلاف ورزی کی''۔اس سخت قرار دادِ جرم کے باوجود راماسوامی پارلیمانی کارروائی اور مواخذہ سے بچ گئے۔ ووٹنگ کے وقت حاضر کل ممبران کی دوتہائی اکثریت اس تحریکِ مواخذہ کو حاصل تو ہوئی لیکن ووٹنگ سے کانگریس غیر حاضر رہی۔ چنانچہ ایوان کی کل ممبر شپ کے نصف حصہ کی حمایت نہ مل سکی۔

اپنی معلومات چیک کیجئے

- ◈ عدلیہ کی آزادی اہم کیوں ہے؟
- ◈ آپ کے خیال میں کیا عاملہ کو ججوں کے تقرر کا اختیار حاصل ہونا چاہیے؟
- ◈ ججوں کے تقرر کا طریقہ بدلنے کے لیے اگر آپ سے تجویز طلب کی جائے تو آپ کیا تجویز پیش کریں گے؟

عدلیہ کا ڈھانچہ

آئینِ ہند ایک واحد اور متحد عدالتی نظام مہیا کرتا ہے۔اس کے معنی ہیں کہ دنیا کے دوسرے ممالک کے وفاقی

نظاموں کے برخلاف ہندوستانی ریاستوں کی علاحدہ عدالتیں نہیں ہیں۔ ہندوستان میں عدلیہ کا ڈھانچہ اہرام نما ہے جس کے سب سے اوپر سپریم کورٹ، اس کے نیچے ہائی کورٹ، ضلع عدالتیں اور نچلی سطح کی عدالتیں (نقشہ دیکھئے) ہیں۔ زیریں عدالتیں براہِ راست عدالتِ عالیہ کے ماتحت کام کرتی ہیں۔
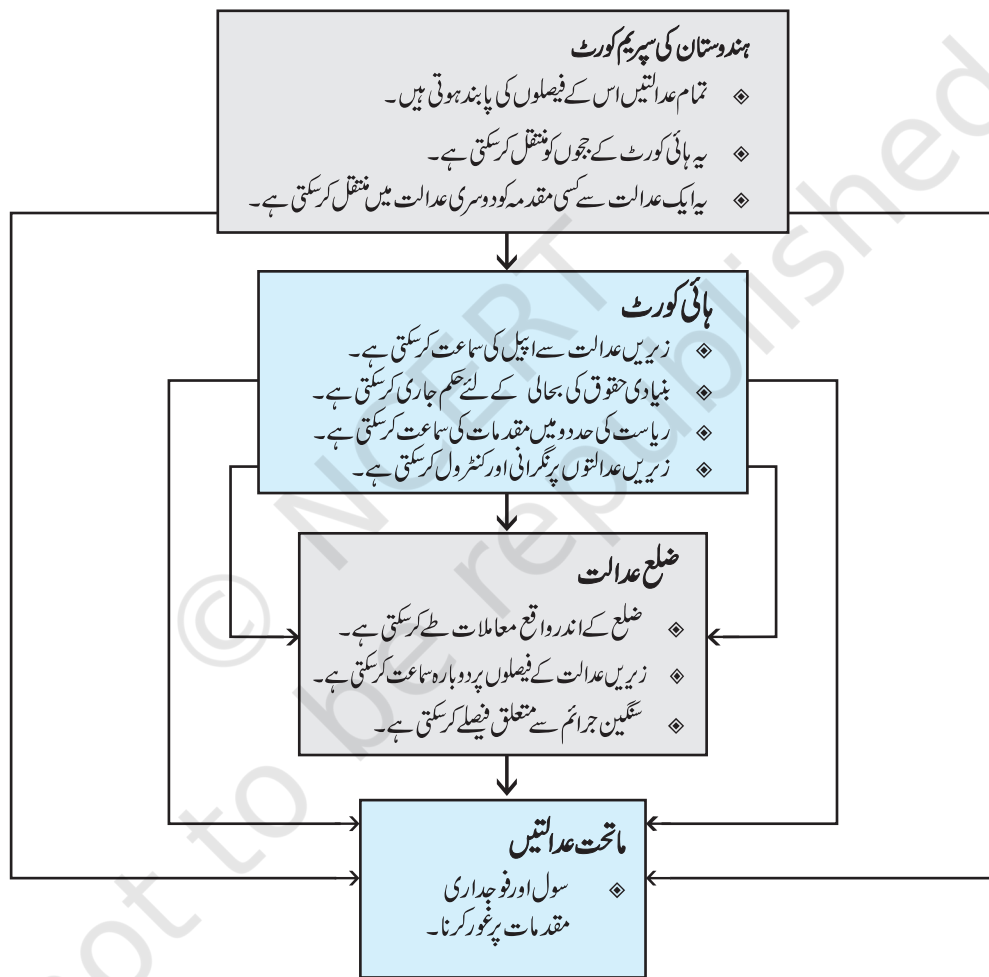
سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار

ہندوستان کی سپریم کورٹ، دنیا کی مضبوط ترین عدالتوں میں سے ایک ہے۔لیکن آئین نے اس کے اختیارات اور فرائض کی حدود بھی طے کردی ہیں۔ سپریم کورٹ کے کام اور ذمہ داریوں کو آئین نے بالکل واضح کردیا ہے۔اس کا مخصوص دائرہ اختیار ہے:

ابتدائی دائرۂ اختیار[1]

ابتدائی دائرۂ اختیار کے معنی ہیں: زیریں عدالت میں معاملات کو پیش کیے بغیر براہ راست سپریم کورٹ میں زیرغور لایا جاسکتا ہے۔مندرجہ بالا نقشہ پر آپ نے غور کیا ہوگا کہ وفاقی رشتوں سے متعلق معاملات براہ راست سپریم کورٹ میں جاتے ہیں۔سپریم کورٹ کا ابتدائی دائرۂ اختیار اس کو تمام وفاقی معاملات میں امپائر کی حیثیت عطا کرتا ہے۔کسی بھی وفاقی ملک میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان، قانونی تنازعات پیدا ہوتے ہی ہیں۔ایسا ریاستوں کے درمیان بھی ہوتا ہے۔اس قسم کے معاملات طے کرنے کی ذمہ داری سپریم کورٹ کو دی گئی ہے۔یہی ابتدائی دائرۂ اختیار کہلاتا ہے، کیوں کہ اس نوعیت کے معاملات پر صرف سپریم کورٹ اختیار رکھتی ہے نہ کہ ہائی کورٹ یا زیریں عدالتیں۔اس حیثیت سے سپریم کورٹ نہ صرف تنازعات حل کرتی ہے بلکہ آئین میں درج یونین اور ریاستوں کے اختیارات کی تشریح بھی کرتی ہے۔

حکم کا دائرۂ اختیار[2]

جیسا کہ ہم بنیادی حقوق کے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ کوئی فرد جس کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہو براہ راست اپنے حقوق کی بحالی کے لیے سپریم کورٹ سے رجوع کرسکتا ہے۔ایسے معاملات میں سپریم کورٹ خصوصی احکامات عدالتی حکم ناموں (WRITS) کی شکل میں جاری کرسکتی ہے۔ہائی کورٹ بھی ایسے حکم نامے جاری کرسکتے ہیں لیکن جس شخص کے حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہے اس کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ چاہے سپریم کورٹ سے رجوع کرے یا ہائی کورٹ سے۔ایسے حکم ناموں کے ذریعہ عدالت عاملہ کو کسی مخصوص طریقہ سے کام کرنے کا حکم بھی جاری کرسکتی ہے۔

سماعتی دائرۂ اختیار[3]

سپریم کورٹ اپیل کی اعلیٰ ترین عدالت ہے۔ہائی کورٹ کے فیصلوں کے خلاف کوئی بھی شخص سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرسکتا ہے۔لیکن اگر کوئی معقول وجہ نہ ہو تو ایسی اپیلوں کی شکل میں عدالت پر کام کا بوجھ بلا وجہ بڑھ جاتا ہے۔لہٰذا زیریں عدالتوں اور ہائی کورٹ کے فیصلوں کے خلاف اپیل کرنے کے حق کو کچھ شرائط کا پابند کردیا گیا ہے۔ہائی کورٹ کو اس بات کی تصدیق کرنا ہوگی کہ کیا یہ کیس اپیل کرنے کے لائق ہے۔یعنی اس میں قانون یا آئین کی تشریح کا سنجیدہ معاملہ الجھا ہوا ہے۔

1۔ ابتدائی دائرۂ اختیار (Original Jurisdiction)
2۔ حکم کا دائرۂ اختیار (Writ Jurisdiction)
3۔ سماعتی دائرۂ اختیار (Appellate)

مزید یہ کہ فوجداری معاملات میں اگر کسی شخص کو زیریں عدالت موت کی سزا دیتی ہے تو اس کے خلاف ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جاسکتی ہے۔ اگر ہائی کورٹ نے اپیل کی اجازت نہیں دی تو سپریم کورٹ کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کہ اپیل کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ سماعتی دائرہ اختیار کے معنی ہیں کہ سپریم کورٹ اس معاملہ پر نظر ثانی کرے گی، اس کے قانونی پہلوؤں پر غور کرے گی۔ عدالت کے خیال میں اگر اس مخصوص معاملہ میں زیریں عدالت نے قانون اور آئین کو جس معنی میں لیا وہ اس کے اپنے معنی سے مختلف ہے تو سپریم کورٹ فیصلہ بدل دے گا اور متعلقہ آئینی دفعہ یا قانون کی نئی تشریح پیش کرے گی۔

سپریم کورٹ کی طرز پر، ہائی کورٹ کو بھی سماعتی اختیارات ہیں۔

مشاورتی دائرۂ اختیار [4]

ابتدائی اور اپیل کے دائرۂ اختیارات کے ساتھ ساتھ، سپریم کورٹ ہند کو مشاورتی اختیارات بھی حاصل ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صدر جمہوریہ ہند، عوام کی اہمیت کا کوئی بھی معاملہ یا آئین کی تشریح کا معاملہ، مشورہ کے لئے سپریم کورٹ کو بھیج دیتا ہے۔ لیکن ایسے معاملات میں، سپریم کورٹ مشورہ دینے کا پابند نہیں ہے۔ اگر مشورہ دیتا ہے تو صدر جمہوریہ بھی اس کو ماننے کا پابند نہیں ہے۔

کیا یہ بات مضحکہ خیز نہیں ہے کہ مشورہ دینا اختیاری ہے اور اس کو قبول کرنا بھی اختیاری؛ میرا خیال تھا کہ عدالت کے فیصلے کی پابندی کرنا ہوتی ہے!

پھر، سپریم کورٹ کے اس مشاورتی کردار کا کیا فائدہ؟ اس کے اور دوسرے فائدے ہیں۔ پہلا اس سے قبل کہ حکومت کوئی قدم اٹھائے خاص طور سے کسی عوامی اہمیت کے معاملہ میں وہ قانونی مشورہ مانگ سکتا ہے تا کہ بعد کی غیر ضروری مقدمہ بازی سے خود کو محفوظ رکھا جاسکے۔ دوسرے سپریم کورٹ کے مشورہ کی روشنی میں حکومت اپنے عمل یا قانون سازی میں مناسب تبدیلیاں کر سکتی ہیں۔

دفعہ 137 ''سپریم کورٹ اپنے دیے ہوئے فیصلے یا حکم پر نظر ثانی کا اختیار رکھتا ہے۔''

دفعہ 144: ''ہندوستانی علاقے میں تمام سول اور عدلیہ سے متعلق افسران سپریم کورٹ کی ہدایت کے مطابق کام کریں گے۔''

مندرجہ بالا دفعات پڑھیے یہ دفعات ہماری عدلیہ کی مشترکہ اور یکساں نوعیت اور سپریم کورٹ کے اختیارات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ سپریم کورٹ کے فیصلے ہندوستان کے ہر علاقہ میں تمام حکام پر عائد ہوتے ہیں۔اس کے ذریعہ جاری کردہ احکامات ہندوستان کے طول وعرض میں قابل نفاذ ہوتے ہیں۔خود سپریم کورٹ اپنے فیصلوں کی پابند نہیں ہے اور کسی بھی وقت ان پر نظر ثانی کرسکتا ہے۔اس کے علاوہ اگر سپریم کورٹ کے کسی فیصلہ کی حکم عدولی ہوتی ہے، تو ایسا معاملہ بھی وہ خود ہی طے کرتا ہے۔

سپریم کورٹ کو اپنے ھی فیصلوں کو بدلنے کی اجازت کیوں دی گئی ھے؟ کیا یہ اس وجہ سے ھے کہ عدالتیں بھی غلطی کرسکتی ھیں؟ کیا ایسا ممکن ھے کہ ایک ھی جج وہ نظر ثانی کرنے والی بینچ میں شامل ھو جس نے پھلے والا فیصلہ دیا تھا؟

اپنی معلومات چیک کیجئے

درج ذیل بیانات کو ایک دوسرے سے صحیح طریقہ سے ملائیے:

ریاست بہار اور مرکزی حکومت کے درمیان تنازعہ سنوائی کے لیے جائے گا۔	ہائی کورٹ
ہریانہ کی ضلع عدالت سے اپیل جائے گی۔	مشاورتی دائرۂ اختیار
واحد اور متحدہ عدلیہ۔	واحد آئین
کسی قانون کو غیر آئینی قرار دینا	ابتدائی دائرۂ اختیار

عدالتی مستعدی

کیا آپ نے یہ لفظ سنا؟ یا مفادِ عامہ کا مقدمہ کے بارے میں سنا ہے؟ آج کے دور میں عدلیہ سے متعلق بحث میں اکثر ان الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ان دو الفاظ نے عدالت کے کام کاج میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ عدالت کو عوام کا دوست بنا دیا ہے۔

ہندوستان میں عدالتی مستعدی کو جس چیز نے فروغ عطا کیا، وہ ہے مفادِ عامہ کا مقدمہ (PIL) یا ''سماجی چارہ جوئی کا مقدمہ'' (SAL) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ PIL اور SAL کیا ہیں؟ یہ کب اور کہاں سے پیدا ہوئے؟ عام طور پر قانون کا جو طریقۂ عمل رائج ہے وہ یہ ہے کہ

کوئی شخص تب ہی عدالت سے رجوع کرتا ہے جب اس کو ذاتی طور پر کوئی نقصان پہنچے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی شخص کے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا خود کسی تنازعہ میں پھنس جاتا ہے،تو عدالت کا رُخ کرتا ہے

Irfan

ایک کارٹون پڑھئے

کیا آپ جانتے ہیں کہ موجودہ دور میں عدالت نے بندھ اور ہڑتالوں کو غیر قانونی قرار دیا ہے؟

1979 کے قریب یہ نظریہ قطعی بدل گیا۔1979 میں عدالت نے یہ اظہار خیال کیا کہ جب کچھ متاثرہ لوگوں کی طرف سے دوسرے لوگوں نے محض اس لیے مقدمہ دائر کیا ہو کہ اس میں مفاد عامہ شامل تھا تو یہ اور اسی طرح کے دوسرے معاملات مفادِ عامہ کے مقدمے کہلائے۔اسی دوران سپریم کورٹ نے ،قیدیوں کے حقوق کا مسئلہ بھی اٹھایا اور ایسے بے شمار معاملات کے لیے دروازہ کھول دیا جہاں عوام کی خدمت کے خواہش مند شہریوں اور رضا کارانہ تنظیموں نے عدالتی مداخلت پر زور دیا۔اس وقت حاصل حقوق کی حفاظت،غربا کے معیار زندگی کو بہتر بنانے ،ماحولیات کی حفاظت اور ایسے ہی بہت سے مفاد عامہ کے معاملات سے متعلق مقدمے (PILs) اب عدالتی مستعدی کا سب سے زیادہ اہم ذریعۂ اظہار بن چکے ہیں۔

اب سے پہلے عدالیہ کا دائرہ صرف دستوری معاملات تک محدود تھا جو اس کے روبرو لائے جاتے تھے۔اب اس نے ایسے معاملات بھی سماعت کے لیے قبول کرنا شروع کر دیے ہیں جن کی بنیاد اخبارات کی رپورٹ اور ڈاک کے ذریعہ ملنے والے شکایتی خطوط پر تھی۔لہٰذا عدالتی مستعدی (PIL) لفظ بے حد مقبول عام ہو گیا اور عدلیہ کا کردار زیادہ واضح کرنے لگا۔

میں نے کسی کو کہتے سنا ہے کہ PIL کے معنی ہیں : ذاتی مفاد کا مقدمہ۔ وہ ایسا کیسے ہو گا؟

مفادِ عامہ کے کچھ ابتدائی مقدمے

- 1979 میں بعض اخبارات نے زیر سماعت قیدیوں کے متعلق رپورٹ شائع کی۔ بہار میں ایسے بہت سے قیدی تھے جو بہت لمبے عرصہ سے جیلوں میں بند تھے۔ جس الزام کی بنا پر انہیں گرفتار کیا گیا اس کی سزا جتنی ہوتی اس سے بھی زیادہ عرصہ تک وہ بدستور قید میں رکھے گئے تھے۔اس رپورٹ نے ایک وکیل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہاں قیدیوں کی طرف سے عدالت میں اپیل دائر کرے۔ سپریم کورٹ نے اس مقدمہ کی سماعت منظور کی۔ یہ معاملہ PIL کا اولین معاملہ کے طور پر مشہور ہو گیا۔ یہ ''حسین آرا بخلاف بہار حکومت'' مقدمہ تھا۔
- 1980 میں تہاڑ جیل کا ایک قیدی پھٹے پرانے کاغذ کے ٹکڑے پر ایک خط سپریم کورٹ کے جج کرشنا ایّر کو پہنچانے میں کامیاب ہو گیا جس میں قید کے دوران قیدیوں پر ہونے والے جسمانی مظالم کا ذکر کیا گیا تھا۔ جج نے اس خط کو اپیل کی شکل میں سماعت کے لیے قبول کیا اور اپیل میں تبدیل کر دیا۔ حالاں کہ بعد میں خطوط پر غور کرنے کا طریقہ ترک کر دیا گیا۔ یہ معاملہ سنیل بترہ بنام دہلی انتظامیہ (1980) تھا اور PIL کے ابتدائی معاملوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

مفاد عامہ کے مقدمات کے ذریعہ عدالت نے حقوق کا تصور وسیع تر کر دیا ہے۔ صاف ہوا، غیر آلودہ پانی، مناسب معیار زندگی وغیرہ اب پورے معاشرہ کے حقوق بن چکے ہیں۔لہٰذا عدالتوں نے یہ محسوس کیا کہ جہاں کہیں بھی ان حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔معاشرہ کی جانب سے افراد کو انصاف حاصل کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ مفاد عامہ کے مقدمات اور عدالتی مستعدی کے ذریعہ 1980 کے بعد عدالت نے ایسے معاملات میں دلچسپی دکھائی جہاں اپیل کنندگان آسانی سے عدالتوں سے رجوع نہیں کر سکتے۔ اس مقصد کے لیے عدالت نے عوامی خدمت کا جذبہ رکھنے والے شہریوں، سماجی تنظیموں اور وکیلوں کو اجازت دی کہ وہ ضرورت مند اور محروم لوگوں کی جانب سے مقدمات دائر کر سکیں۔

''یہاں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ غریبوں کے مسائل کی نوعیت ان لوگوں کے مسائل کی نوعیت سے الگ ہے جو پہلے ہی عدالت کی توجہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ان کو ایک مختلف قسم کی توجہ کی ضرورت ہے اگر ہم آنکھ بند کر کے ایک ناموافق طریقہ کار اپناتے ہیں تو وہ کبھی اپنے حقوق حاصل نہیں کر سکیں گے۔''

(جسٹس بھگوتی: بندھوا مکتی مورچہ بنام
حکومت ہند کیس 1984)

سرگرمی

کم از کم کسی ایک مفادِ عامہ کے مقدمہ (PIL) کی تفصیلات معلوم کیجئے اور مطالعہ کیجئے: اس کیس نے کس طرح مفاد عامہ کا مقصد حاصل کیا۔

میرے خیال میں عدالتی مستعدی کے معنی یہ ہیں کہ مجلس قانون ساز اور عاملہ کو یہ بتانا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ اگر مجلس قانون ساز اور عاملہ، انصاف دینا شروع کردیں تو کیا ہوگا؟

سیاسی نظام پر عدالتی مستعدی کے خوش آئند اثرات ہوئے ہیں۔ صرف افراد ہی نہیں بلکہ گروہوں کو بھی عدالت تک رسائی کا حق دے کر اِس نے عدالتی نظام کو زیادہ جمہوری اور عاملہ کو جواب دہ بنا دیا ہے۔ اِس نے انتخابی عمل کو زیادہ آزادانہ اور منصفانہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ عدالت نے انتخابی امیدواروں کو حلف نامہ جمع کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ اپنی اِملاک اور آمدنی کے ساتھ ساتھ اپنی تعلیمی قابلیت بھی ظاہر کر سکیں اور عوام اِن معلومات کی بنا پر ہی ان کا انتخاب کریں۔

بڑی تعداد میں موصول مفادِ عامہ کی اپیلوں اور عدالتی مستعدی کا ایک منفی پہلو بھی

ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نے عدالتوں کا بوجھ بڑھا دیا ہے دوسرے، عدالتی مستعدی نے عاملہ اور قانون ساز مجلس کے درمیان فرق کو ختم کر دیا ہے۔ دوسری طرف عدلیہ اس کام میں اضافی طور پر مشغول ہوگئی ہے مثلاً عاملہ سے متعلق معاملات کو طے کرنے جیسے، فضائی یا صوتی آلودگی کو کم کرنا، رشوت خوری کے معاملات کی تحقیق کرنا یا انتخابی اصلاحات لانا وغیرہ میں۔ یہ عدلیہ کی ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ یہ معاملات مجلس قانون ساز کی نگرانی میں عاملہ انجام دیتی ہے اور اس کو ہی انجام دینے چاہئیں۔ لہٰذا بعض لوگ محسوس کرتے ہیں کہ عدالتی مستعدی نے حکومت کے تینوں بازوؤں کے درمیان توازن کو بہت نازک بنا دیا ہے۔ جب کہ جمہوری حکومت کا انحصار اس بات پر ہے کہ حکومت کا ہر بازو دوسرے بازو کے اختیارات کا احترام کرے۔ عدالتی مستعدی نے اس جمہوری اصول کو تنازعات سے دوچار کر دیا ہے۔

آپ جج ہیں

کسی شہر سے تعلق رکھنے والے کچھ شہریوں نے عدالت سے رجوع کیا ہے کہ وہ شہر کی میونسپل حکام کو ہدایت دیں: کہ وہ شہر سے جھگی جھونپڑی بستیوں کو ہٹانے اور شہر کو خوبصورت بنانے کے لیے کام کریں تاکہ روپیہ لگانے والوں کو شہر کی طرف متوجہ کیا جا سکے۔ ان کی دلیل ہے کہ یہ مفاد عامہ کے حق میں ہے۔ ان جھگی بستیوں کے باشندوں کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے سے ان کا حق زندگی ختم ہو جائے گا۔ ان کی دلیل ہے کہ مفاد عامہ کے نظریہ میں زندگی کا حق مرکزی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ شہر کی صفائی۔

عدلیہ اور حقوق

ہم پہلے ہی سمجھ چکے ہیں کہ افراد کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری عدلیہ کے سپرد کی گئی ہے۔ ہمارا آئین دو طریقے تجویز کرتا ہے جن کے ذریعہ سپریم کورٹ حقوق کی خلاف ورزی کا حل نکال سکتا ہے۔

اولاً پروانۂ حاضری ملزم (1)، عدالت عالیہ کا ماتحت عدالت کو حکم نامہ (2) وغیرہ جاری کر کے سپریم کورٹ بنیادی حقوق کو بحال کر سکتا ہے (دفعہ 132) ہائی کورٹس کو بھی اس طرح کے حکم نامے جاری کرنے کے اختیار حاصل ہیں (دفعہ 226)۔

دوئم سپریم کورٹ کسی قانون کو غیر قانونی قرار دے سکتا ہے اور اس کو غیر عملی بنا سکتا ہے۔ مجموعی طور پر آئین کی یہ دونوں دفعات ایک طرف سپریم کورٹ کو شہریوں کے بنیادی حقوق کا محافظ بناتی ہیں تو دوسری جانب آئین کا شارح۔ ان میں سے دوسرا طریقہ آئینی نظر ثانی پر مشتمل ہوتا ہے۔

سپریم کورٹ کے اختیارات میں سب سے اہم اختیار شاید آئینی نظر ثانی کا اختیار ہے۔ اس کے معنی ہیں

کہ یہ سپریم کورٹ کا وہ اختیار ہے جو کسی بھی قانون کی آئینی حقیقت کی جانچ کرتا ہے اور یہ طے کرتا ہے کہ کیا یہ قانون آئین کی دفعات کے مطابق ہے یا نہیں ہے۔ آئینی نظرِ ثانی کا لفظ خود آئین میں کہیں نہیں ہے۔ پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کا ایک تحریری آئین ہے۔ اور سپریم کورٹ ایسے کسی بھی قانون کو ردّ کر سکتا ہے جو بنیادی حقوق کے خلاف ہے اور یہی سپریم کورٹ کو آئینی نظرِ ثانی کا اختیار دیتا ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ ہم نے سپریم کورٹ کے دائرۂ اختیار سے متعلق پڑھا وفاقی رشتوں کے معاملات میں بھی سپریم کورٹ نظرِ ثانی کے اختیار کا استعمال کر سکتا ہے۔ فرض کیجیے۔ مرکزی حکومت کوئی قانون بناتی ہے جو بعض ریاستوں کی نظر میں ریاستی فہرست میں شامل موضوعات سے متعلق ہے تو ایسے حالات میں وہ ریاست یا ریاستیں سپریم کورٹ سے رجوع کر سکتی ہیں۔ اگر سپریم کورٹ ان کے نظریہ سے اتفاق کرتا ہے تو اُس قانون کو غیر آئینی قرار دیا جا سکتا ہے۔

مجموعی طور پر سپریم کورٹ کے رِٹ اور نظرِ ثانی کے اختیارات عدلیہ کو بہت با اختیار بناتے ہیں۔ خاص طور پر نظرِ ثانی کے اختیار کے معنی ہیں: عدلیہ آئین کی اور مجلسِ قانون ساز کے ذریعہ منظور کردہ قوانین کی تشریح کر سکتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پہلو دراصل عدلیہ کو آئین کا ایک موثر محافظ بناتا ہے اور شہریوں کے حقوق کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ مفادِ عامہ کی اپیلوں پر غور کرنے کے عمل نے شہریوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے عدلیہ کے اختیارات میں اضافہ کر دیا ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ میں ایک جج ہوتا۔ پھر مجھے انتخابات اور عوام کی حمایت کی فکر نہ ہوتی پھر بھی میرے پاس بہت سارا اختیار ہوتا!

کیا آپ جانتے تھے کہ مفادِ عامہ کے مقدمات اب دوسرے بہت سے ممالک میں بھی زیادہ سے زیادہ عام ہو جاتے ہیں؟ دنیا کی بہت سی عدالتیں، خاص طور سے جنوبی ایشیا اور افریقہ ہندوستانی عدلیہ کے بالمقابل عدالتی مستعدی پر عمل کر رہی ہیں۔ جنوبی افریقہ کے آئین میں شامل حقوق کے منشور میں مفادِ عامہ کی اپیل بھی شامل ہے۔ اس طرح جنوبی افریقہ میں شہریوں کا یہ بنیادی حق ہے کہ ان کے حقوق کی خلاف ورزی ہونے کی صورت میں، معاملہ کو آئینی عدالت کے روبرو پیش کیا جا سکتا ہے۔

کیا آپ کو یاد ہے کہ حقوق کے باب میں ہم نے استحصال کے خلاف حق کا ذکر کیا تھا؟ یہ حق جبریہ مزدوری، انسانوں کی تجارت اور خطرناک پیشوں میں بچوں کی ملازمت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جن کے حقوق کی پامالی ہوئی ہے وہ کیسے عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں؟ مفادِ عامہ کی اپیلوں اور عدالتی مستعدی نے ایسی خلاف ورزیوں پر غور کرنے کا کام عدالتوں کے لیے ممکن بنا دیا

ہے۔اس طرح عدالتوں نے مقدمات کے ایک مکمل سلسلہ پر غور کیا جس کا تعلق پولیس کے ذریعہ قیدیوں کو اندھا بنا دینے ، پتھریلی کانوں میں کام کے غیر انسانی حالات، بچوں کے جنسی استحصال وغیرہ سے تھا۔اس رجحان نے غریبوں اور محروم طبقات کے لیے حقوق انسانی کو واقعی با معنی بنا دیا ہے۔

اپنی معلومات چیک کیجیے

- عدالت نظرِ ثانی کے اختیارات کا استعمال کب کرتی ہے؟
- عدالتی نظر ثانی اور رِٹ رحکم ناموں کے درمیان کیا فرق ہے؟

عدلیہ اور پارلیمنٹ

حقوق کے معاملات میں نہایت مستعدانہ رُخ اختیار کرنے کے علاوہ عدلیہ اس ضمن میں بھی کافی چُست ہے کہ سیاسی عمل کے ذریعہ دستور کی تخریب کاری نہ ہو جائے۔اس طرح جو معاملات عدالتی نظر ثانی کے دائرۂ کار سے باہر رکھے گئے تھے جیسے صدر جمہوریہ یا گورنر کے اختیارات ان کو بھی عدالت کی نظر ثانی کے تحت لایا گیا۔

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں جن میں سپریم کورٹ نے مستعدی کا ثبوت دیا ہے اور اس کے لیے عاملہ کے اداروں کو احکامات دے کر انصاف قائم کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے ''حوالہ کیس'' میں بدعنوان سیاست دانوں اور عہدیداران کے خلاف تحقیقات شروع کرنے کی ہدایات دی گئیں۔

آئینِ ہند کی مثال ایک نازک اصول پر قائم ہے اور یہ اصول ہے: اختیارات کی محدود تقسیم اور چیک اینڈ بیلنس (نگرانی اور توازن کا اصول)۔اس کے معنی ہیں کہ حکومت کے ہر عضو کے کام کا دائرہ مخصوص اور واضح ہے۔ لہٰذا پارلیمنٹ کو قانون سازی اور آئین میں ترمیم کرنے کے قطعی اختیارات حاصل ہیں۔ان قوانین پر عمل کرنے کا مکمل اختیار عاملہ کو حاصل ہے جبکہ عدلیہ کو معاملات سلجھانے اور یہ طے کرنے کا اختیار ہے کہ قوانین آئین کی دفعات کے عین مطابق بنائے گئے ہیں۔اختیارات کی اس قدر واضح تقسیم کے باوجود پارلیمنٹ اور عدلیہ نیز عاملہ اور عدلیہ کے درمیان تنازعات ہندوستانی سیاست کا ایک مستقل عنوان بن چکے ہیں۔

پارلیمنٹ اور عدلیہ کے درمیان اختلافات کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں، جن کا تعلق حقِ جائیداد اور آئین میں ترمیم کرنے کے پارلیمنٹ کے حق سے تھا۔آئیے، مختصر طور پر اس بات کو پھر دوہرائیں:

جیسے ہی آئینِ ہند پر عمل شروع ہوا، اس کے فوراً بعد ہی پارلیمنٹ کے حقِ جائیداد کو محدود کرنے کے اختیار سے متعلق تنازعے پیدا ہو گئے۔پارلیمنٹ چاہتی تھی کہ جائیداد رکھنے کے حق پر کچھ پابندیاں عائد کی جائیں تاکہ زمینی

اصلاحات کی جاسکیں۔اس کے بعد پارلیمنٹ نے آئین میں ترمیم کی کوشش کی۔لیکن عدالت کا کہنا تھا کہ ترمیم کے ذریعہ بھی بنیادی حقوق کو کم نہیں کیا جاسکتا۔

پارلیمنٹ اور عدلیہ کے درمیان مندرجہ ذیل مسائل تنازعات کا مرکز بنے رہے:

- ذاتی جائیداد کے حق کا دائرہ کیا ہے؟
- بنیادی حقوق کو کم کرنے مختصر کرنے یا منسوخ کرنے کا پارلیمنٹ کا دائرہ اختیار کیا ہے؟
- آئین میں ترمیم کے پارلیمنٹ کا دائرہ اختیار کیا ہے؟
- کیا پارلیمنٹ ایسے قانون بنا سکتی ہے جو بنیادی حقوق کو کم کردیں اور ہدایتی اصولوں کو نافذ کردیں؟
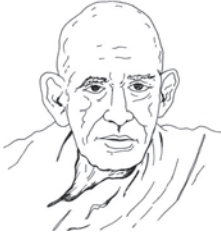
الادی کرشنا سوامی ائیر
(CAD, Vol. XI p. 837)

''عدلیہ کی آزادی کو برقرار رکھنے سے متعلق دورائے نہیں ہوسکتیں۔۔۔۔۔۔۔ایک اہم اصول زیرِ نظر رکھنا ضروری ہے۔عدلیہ کی آزادی کے نظریہ کو تحکم کی سطح تک اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے تاکہ عدلیہ ایک قسم کی اعلیٰ ترین قانون ساز اعلیٰ ترین عاملہ کی طرح کام نہ کرنے لگے۔عدلیہ کا کام آئین کی تشریح کرنا اور بنیادی حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔''

1967 اور 1973 کے درمیان یہ مسئلہ کافی سنجیدہ ہوگیا۔زمینی اصلاحات کے قوائین کے علاوہ احتیاطی حراست کو روکنے کے قوانین، ملازمتوں میں ریزرویشن کے قوانین، عوامی مقاصد کے لئے ذاتی جائیداد حاصل کرنے کے اصول وقوانین اور اس طرح کی ذاتی جائیداد حاصل کرنے کے عوض ہرجانہ طے کرنے کے قوانین ۔۔۔ ایسے کچھ تنازعات کی مثالیں ہیں جو مجلسِ قانون ساز اور عدلیہ کے درمیان پیدا ہوئیں۔

1973 میں سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ دیا جو اس کے بعد عدلیہ اور مجلسِ قانون ساز کے رشتوں کو باضابطہ بنانے میں اہمیت اختیار کرچکا ہے۔یہ کیشونند بھارتی کیس کے نام سے مشہور ہے۔اس معاملہ میں، عدالت نے فیصلہ دیا کہ آئین کا بنیادی ڈھانچہ ہے۔خود پارلیمنٹ بھی اس بنیادی ڈھانچہ کی خلاف ورزی نہیں کرسکتی۔عدالت نے دو باتیں مزید کہیں۔اول،حقِ جائیداد (متنازعہ معاملہ) بنیادی ڈھانچہ کا حصہ نہیں تھا لہٰذا اس کو مناسب طریقہ سے کم کیا جاسکتا ہے۔دوسری بات عدالت نے یہ حق اپنے لیے محفوظ رکھا کہ آئین کے بنیادی ڈھانچہ سے متعلق مختلف معاملات وہ خود طے کرے گی۔یہ اس بات کی بہترین مثال ہے کہ عدلیہ آئین کی تشریح کرتی ہے۔

اس فیصلہ نے مجلسِ قانون ساز اور عدلیہ کے درمیان تنازعہ کی نوعیت کو بدل دیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے مطالعہ کر چکے ہیں، 1979 میں حقِ جائیداد کو بنیادی حقوق کی فہرست سے خارج کر دیا گیا اور اسی عمل نے حکومت کے دونوں اعضا یعنی مجلس قانون ساز اور عدلیہ کے درمیان رشتوں کی نوعیت ہی بدل دی۔

لیکن اب بھی دونوں کے درمیان بعض معاملات اختلافات کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ کیا مجلسِ قانون ساز کی کارکردگی میں، عدلیہ دخل دے سکتی ہے یا اس کو باضابطہ بنا سکتی ہے؟ پارلیمانی نظام میں مجلسِ قانون ساز خود پر حکومت کرنے کا اختیار رکھتی ہے اور اپنے ممبران کے برتاؤ کو باضابطہ بناتی ہے۔ چنانچہ مجلسِ قانون ساز اُس شخص کو سزا دے سکتی ہے جس کو مجلسِ قانون کی مراعات کی خلاف ورزی کا مرتکب پایا گیا ہو، جس شخص نے مجلسِ قانون ساز کے ڈسپلن کو توڑا ہو کیا وہ عدالت سے تحفظ حاصل کر سکتا ہے؟ یہ مسائل ابھی تک حل نہیں ہو سکے ہیں اور یہی دونوں حکومت کے دونوں اعضا کے درمیان اختلافات کی وجہ بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آئین کے مطابق ججوں کے برتاؤ پر پارلیمنٹ میں بحث نہیں ہو سکتی۔ کچھ ایسی مثالیں بھی ہیں جب پارلیمنٹ اور مجلسِ قانون ساز نے عدلیہ کی کارکردگی پر تہمتیں لگائی ہیں۔ اسی طرح عدلیہ نے بھی مجلسِ قانون ساز کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور قانون سازی سے متعلق ہدایات جاری کی ہیں۔ مجالس قانون ساز اِس عمل کو پارلیمانی اقتدار اعلیٰ کے اصول کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں۔

عدالت ہم کو وہ سب کچھ نہیں بتاسکتی کہ آئین کا وہ بنیادی ڈھانچہ کیا ہے اور اس کے کون کون سے پہلو ہیں؟

یہ مسائل اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حکومت کے کسی بھی دو اعضا کے درمیان توازن قائم کرنا کس قدر مشکل ہے اور جمہوریت میں دوسروں کے اختیار و اقتدار کا احترام کرنا حکومت کے ہر عضو کے لیے کتنا اہم ہے۔

اپنی معلومات چیک کیجیے

عدلیہ اور پارلیمنٹ کے مابین اختلافات کے اہم امور ہیں:

- ججوں کا تقرر
- ججوں کی تنخواہ اور مراعات
- آئین میں ترمیم کی پارلیمانی اختیار کی حد
- عدلیہ کی کارکردگی میں پارلیمنٹ کی دخل اندازی۔

اختتام

اس باب میں ہم نے جمہوری ڈھانچہ میں عدلیہ کے کردار کا مطالعہ کیا۔ ایسی کئی الجھنوں کے باوجود جو وقتاً فوقتاً عدلیہ اور مجلسِ قانون ساز و عاملہ کے مابین پیدا ہوتی رہتی ہیں عدلیہ کے وقار میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ عدلیہ سے اور بہت سی توقعات ہیں۔ عام شہریوں کو بھی حیرانی ہے کہ لوگ کتنی آسانی سے بری ہو جاتے ہیں اور گواہ کس طرح اپنے بیان بدل دیتے ہیں تا کہ امیر اور طاقت ور لوگوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔ یہ کچھ ایسے معاملات ہیں جن سے عدلیہ کا تعلق ہے۔

اس باب میں آپ نے دیکھا کہ ہندوستان میں عدلیہ ایک طاقت ور ادارہ ہے۔ اس طاقت نے عدالت کا احترام پیدا کیا ہے اور اس سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں: ہندوستان میں عدلیہ اپنی آزادی و خودمختاری کے لیے پہچانی جاتی ہے۔ مختلف فیصلوں کے ذریعہ عدلیہ نے آئین کی نئی تشریحات کی ہیں اور شہریوں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس باب میں دیکھا۔ جمہوریت عدلیہ اور پارلیمنٹ کے درمیان نازک توازن ہے اور دونوں ادارے آئین کے ذریعہ طے کردہ حدود کے اندر ہی کام کرتے ہیں۔

ایک کارٹون پڑھیے

آخر کار مجھے باعزت بری کر دیا گیا ہے! یہ سب ایک بھیانک خواب تھا!
میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کبھی بدعنوانی میں ملوث نہیں ہوں گا۔

R K Laxman in The Times of India.

عوامی زندگی میں بدعنوانی پر قابو رکھنے کے لیے عدلیہ کس طرح فعال کردار ادا کرتی ہے؟

NATIONAL NETWORK

The Indian EXPRESS
www.expressindia.com

RAJYA SABHA ■ Election of members from states they do not belong to challenged

SC to hear petition by month-end

EXPRESS NEWS SERVICE
NEW DELHI, FEBRUARY 2

IN listing a petition challenging a common practice in Rajya Sabha polls for hearing this month-end, Sabha member Fali Nariman informed the apex bench of the need for urgency in the matter since polls to the Upper House were slated to begin by February 28.

In fact, Nayyar's petition ... Manmohan Singh tops the list of such persons having been elected to the Upper House from Assam, the state he does not belong to. The Congress and BJP too have such members of the Upper ...se. Bharatiya Janata ...ders M Venkaiah ... Rajagopal were ...

Cash-for-query: Centre wants cases of MP...

NEW DELHI: The Supreme ... notices to the 11 expelled MPs ... hould not be clubbed ... e issued by a bench of ... and Justice C K Tha... ough Secretary Parlia...

सुप्रीम कोर्ट को सांसदों के निष्क... मामले में दखल का हक नहीं

जनसत्ता ब्यूरो
नई दिल्ली, ४ फरवरी। सांसदों के ...
आरोप में ११ सदस्यों को बर्खा... था। इनमें से एक सांसद ने ... बर्खास्तगी को चुनौती दी।

Judiciary a partner in development: Kalam

President inaugurates the golden jubilee celebrations of the Punjab and Haryana High Court

स्कूली शिक्षकों की उपेक्षा से हाई कोर्ट नाराज

राजधानी से

शिक्षक और उचित सम्मान दे दिल्ली सरकार

नियुक्तियों के मामले में न्यायपालिका का कोई दखल नहीं: हाई कोर्ट

नई दिल्ली, २९ जनवरी (जनसत्ता)। दिल्ली हाईकोर्ट ने व्यवस्था दी है कि नियुक्तियां, प्रोन्नति, नियमन और पदों का स... कार्यपालिका के कार्य हैं और न्यायपालिका को दखल नहीं करना चाहि...

न्यायमूर्ति मार्कंडेय काटजू और ... मदान बी लोकूर की एक खंडपीठ... के एक फैसले को खारिज कर... कार्यपालिका के क्षेत्राधिकार ... हस्तक्षेप उचित नहीं है। ... एक अपील पर दी। ... संस्थान (एम्स) की ... के फैसले को ... अदालत ने ... उपाध्याय को ... पर प्रोन्नति ... शिकायत ... उसके ... का ...

Supreme Court indicts Governor

Holds dissolution of Bihar Assembly illegal; says Cabinet should have verified the facts ...

مشق

1۔ وہ مختلف طریقے کیا ہیں جن کے ذریعہ عدلیہ کی آزادی کو یقینی بنایا گیا ہے؟ غیر موزوں جواب کو الگ دیجیے:

(a) سپریم کورٹ کے دوسرے ججوں کے انتخاب میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا مشورہ لیا جاتا ہے۔

(b) عام طور پر ججوں کو ریٹائرمنٹ کی عمر سے پہلے الگ نہیں کیا جاتا۔

(c) ہائی کورٹ کے ایک جج کو دوسرے ہائی کورٹ میں ٹرانسفر نہیں کیا جاسکتا۔

(d) ججوں کے تقرر میں پارلیمنٹ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

2۔ کیا عدلیہ کی آزادی کا مطلب ہے کہ عدلیہ کسی کے تئیں جواب دہ نہیں ہے؟ اپنا جواب 100 الفاظ کے اندر اندر دیجئے:

3۔ آئین میں مختلف دفعات کون سی ہیں جن کے ذریعہ عدلیہ کی آزادی کو قائم کیا گیا ہے؟

4۔ ذیل میں دی گئی اخباری رپورٹ پڑھیے اور مندرجہ ذیل پہلوؤں کی شناخت کیجئے:۔

✓ یہ معاملہ کس کے متعلق ہے؟

✓ اس معاملہ میں کس کو فائدہ حاصل ہوا؟

✓ اس معاملہ میں اپیل کنندہ کون ہے؟

✓ تصور کیجئے کہ کمپنی کے ذریعہ کون سی دلیلیں دی گئی ہوں گی؟

✓ کسانوں نے کون سی دلیلیں پیش کی ہوں گی؟

سپریم کورٹ نے آر.ای.ایل۔کو حکم دیا کہ کسانوں کو 300 کروڑ روپیہ ادا کرے

ہمارے کورپوریٹ بیورو۔ 24 مارچ 2005

ممبئ: سپریم کورٹ نے ریلائنس انرجی کو 300 کروڑ روپیہ کسانوں کو ادا کرنے کا حکم دیا جو ممبئ سے باہر دہانو علاقے میں چیکو پھل اگاتے تھے۔ یہ فیصلہ اس اپیل کے بعد آیا جس میں چیکو اگانے والے کسانوں نے ریلائنس تھرمل پاور پلانٹ کی آلودگی کے خلاف اپیل دائر کی تھی۔

دہانو، جوممبئی سے150 کلومیٹر فاصلہ پر ہے ایک خودکفیل زراعتی اور باغبانی علاقہ ہے جوایک دہائی سے بھی زیادہ مدت سے مچھلی پالن اور جنگلات کے لئے جانا جاتا ہے لیکن1989 میں یہ اس وقت تباہ ہوگیا جب اس علاقہ میں ایک تھرمل پاور پلانٹ نے کام کرنا شروع کیا۔ اگلے سال اس علاقہ کی فصل تباہ ہوگئی۔ کبھی جومہاراشٹر کا پھلوں کا علاقہ مشہور تھا اس کی70 فیصد کاشت ختم ہوچکی ہے۔ مچھلی کی پرورش گاہیں بند ہوگئی ہیں اور گھنے جنگلات کم ہوگئے ہیں۔ کسان اور ماہر ماحولیات کہتے ہیں کہ پاور پلانٹ سے نکلنے اوراڑنے والی راکھ نے زمین کے پانی میں داخل ہو کر پورے ماحولیاتی نظام کو آلودہ بنا دیا ہے۔ دہانو تعلقہ کے ماحولیاتی تحفظ ادارہ نے پلانٹ کو حکم دیا کہ اس میں ماحولیات کو آلودگی سے بچانے کا انتظام کیا جائے اور سلفر کے خارج ہونے کو کم کیا جائے۔ حتیٰ کہ سپریم کورٹ کے آرڈر کے باوجود کہ آلودگی کو قابو میں رکھنے کا انتظام کیا جائے، 2002 تک ایسا کوئی پلانٹ قائم نہیں کیا گیا۔ 2003 میں، ریلائنس نے تھرمل اسٹیشن کو حاصل کرلیا اور ایک منصوبہ کے مطابق2004 میں ایسا عمل شروع کرنے کی تجویز رکھی۔ چونکہ ابھی تک آلودگی کو کنٹرول کرنے کا پلانٹ نصب نہیں کیا گیا ہے، دہانو تعلقہ کے ماحولیاتی تحفظ کے محکمہ نے ریلائنس کو 300 کروڑ روپیہ کی بنک ضمانت جمع کرنے کا حکم دیا۔

5 مندرجہ ذیل، اخباری رپورٹ پڑھیے اور

- ✓ مختلف مرحلوں رسطحوں پر حکومتوں کی شناخت کیجئے
- ✓ سپریم کورٹ کے رول کی شناخت کیجئے
- ✓ اس میں عدلیہ اور عاملہ کے کام کی کہاں تک جھلک دکھائی دیتی ہے؟
- ✓ اس معاملہ میں ملوث قانون کی تشریح عمل درآمد اور قانون سازی سے متعلق معاملات اور مسائل کی شناخت کیجئے۔

مرکز، دہلی سی این جی کے معاملہ پر دہلی سمجھوتہ کرتی ہے

ہمارا اسٹاف رپورٹر، 'دی ہندو' 23 ستمبر 2001

آج مرکز اور دہلی حکومت نے باہم اتفاق کیا کہ اسی ہفتہ سپریم کورٹ سے رجوع کیا جائے گا۔۔۔۔ غیر سی۔این۔جی۔گیس سے چلنے والی تمام گاڑیوں کو دہلی کی سڑکوں سے مرحلہ وار ختم کیا جائے گا۔انہوں نے شہر کے لیے دوہری ایندھن حکمت عملی اختیار کرنے کا بھی فیصلہ لیا تا کہ پورے شہر کے ٹرانسپورٹ نظام کو ایک ہی قسم کے ایندھن پر انحصار نہ کرنا پڑے جو خطرات سے بھر پور تھا اور ناگہانی حادثات تباہی لا سکتے ہیں۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ پرائیویٹ گاڑیوں کے مالکوں کو سی۔این۔جی۔گیس استعمال کرنے کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔حکومت اور پریس دونوں زور دیں گے کہ 0.05 فیصد سے کم سلفر ڈیزل بسوں میں استعمال کیا جائے۔ مزید یہ کہ عدالت میں یہ دلیل پیش کی جائے گی کہ وہ تمام گاڑیاں جو یورو II کے معیار پر پوری اترتی ہیں ان کو شہر میں چلتے رہنے کی اجازت دی جائے۔حالانکہ دونوں مرکز اور دہلی حکومت علاحدہ علاحدہ اپنی درخواستیں پیش کریں گی لیکن کچھ عام نکات پر باہمی اتفاق ہوگا۔سی۔این۔جی۔گیس سے متعلق معاملات میں دہلی حکومت کے نقطۂ نظر کو مرکزی حکومت کی حمایت حاصل ہوگی۔دہلی کی وزیراعلیٰ مسز شیلا دیکشت اور مرکزی وزیر برائے پٹرولیم و قدرتی گیس۔رام نائک کے درمیان میٹنگ میں یہ فیصلہ لیا گیا۔

مسز شیلا دیکشت نے کہا کہ مرکزی حکومت عدالت سے درخواست کرے گی۔ڈاکٹر شالکر آر۔اے۔کی صدارت میں اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کے قیام کے مدنظر پورے ملک کے لیے ''آٹو ایندھن حکمت عملی'' تجویز کرے گی۔یہ مناسب ہوتا کہ آخری تاریخ کو مزید بڑھایا جائے کیونکہ تقریباً دس ہزار پرانی بسوں پر مشتمل بیڑے کو اتنے کم وقت میں سی۔این۔جی میں تبدیل کر پانا ممکن نہیں۔ایسی امید کی جاتی ہے۔شالکر کمیٹی چھ ماہ کے اندر اپنی رپورٹ پیش کردے گی۔

وزیراعلیٰ نے کہا کہ عدالتی ہدایت پر عمل کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہے۔اس مسئلہ پر باہمی تعاون کے نظریہ کا حوالہ دیتے ہوئے مسز شیلا دیکشت نے کہا سی۔این۔جی۔میں تبدیل کی جانے والی بسوں کی تفصیلات تیار کی جائیں گی،سی این جی ڈپو کے باہر لمبی قطاروں کو ختم کرنے،دہلی میں سی این جی کی ضرورتوں اور عدالتی ہدایت پر

عمل کے لیے دوسرے طریقوں پر بھی سنجیدگی سے غور کیا جائے گا۔

سپریم کورٹ نے صرف بسوں کے لیے سی این جی کے اصول میں رعایت کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے ذریعہ ٹیکسی اور آٹو رکشہ پر اس اصول کے عمل درآمد کرنے کی بات پر زور نہیں دیا گیا ہے۔ مسٹر نائک نے کہا کہ مرکز اس بات کی اجازت دے گا کہ دہلی میں بسوں کو چلانے کے لیے کم سلفر ڈیزل استعمال کیا جائے کیوں کہ پورے نظام کو سی۔این۔جی۔ پر منحصر کرنا سخت مشکلات پیدا کرتا ہے۔ سی۔این۔جی کے لیے مرکز کا انحصار پائپ لائن سپلائی پر ہے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ پورے ٹرانسپورٹ نظام کو ٹھپ کر سکتی ہے۔

6۔ ذیل میں ایکواڈور (ملک) کے متعلق ایک بیان درج ہے وہاں کے اور ہندوستان کے عدالتی نظام میں فرق اور مماثلتیں تلاش کیجیے:

''اگر عام قانون کا ایک مجموعہ یا عدالتی روایات کا مجموعہ موجود ہوتا جو کسی جرنلسٹ کے حقوق کی وضاحت کرتا تو یہ بہت مفید ہوتا۔ بدقسمتی سے ایکواڈور کی عدالتیں اس طرح کام نہیں کرتیں۔ پہلے کی اعلیٰ عدالتوں کے فیصلوں کا جج احترام نہیں کرتے اور نہ انہیں ایسا کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ کے برخلاف ایکواڈور (یا جنوبی امریکہ میں کہیں بھی) میں ایک اپیل جج کو ایک تحریری فیصلہ کی ضرورت نہیں ہوتی جس کی بنا پر وہ اپنا فیصلہ سُنا سکے۔ کوئی جج آج ایک فیصلہ کر سکتا ہے اور اسی معاملہ میں بغیر یہ جواز پیش کیے کہ اب کیوں ہوا دوسرا طریقہ اختیار کر سکتا ہے۔''

7۔ درج ذیل بیانات پڑھیے۔ سپریم کورٹ کون سے مختلف دائرۂ اختیار میں کام کرتی ہے اس سے ملائیے۔ ابتدائی، سماعتی اور مشاورتی۔

- حکومت جاننا چاہتی تھی کہ کیا وہ پاکستانی مقبوضہ حصوں جموں کشمیر کے باشندوں کو شہریت دے سکتی ہے۔
- دریائے کاویر کے پانی سے متعلق تنازعہ کو حل کرنے کے لیے حکومت تمل ناڈو عدالت سے رجوع کرنا چاہتی ہے۔

ر کورٹ نے عوام کی اس درخواست کو نامنظور کر دیا جن کو ڈیم کے علاقہ سے ہٹانے کا حکم ملا تھا۔

8۔ مفاد عامہ کے کس طرح غریبوں کی مدد کر سکتے ہیں؟

9۔ آپ کے خیال میں کیا بنیادی حقوق کے تحفظ کا مسئلہ عدالتی انتہا پسندی اور عاملہ کے درمیان تنازع کا سبب بن سکتا ہے؟ کیوں؟

10۔ عدالتی انتہا پسندی کس طرح بنیادی حقوق سے منسلک ہے؟ کیا اس نے موجودہ بنیادی حقوق کے دائرہ کو بڑھانے میں مدد دی ہے؟